دینی مدارس اوران کا نصابِ تعلیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ
بانی: جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا

[۱۹۷۹ء میں جب جنرل ضیاء الحق مرحوم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنی ایک اہم پریس کانفرنس میں مدارس دینیہ کے نصاب میں تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ نے پیش نظر مضمون میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا تھا، موجودہ حالات نے اس کی اہمیت وضرورت کو ایک مرتبہ پھر اجاگر کردیا ہے، اس لیے ماہنامہ وفاق کے قارئین کی خدمت میں پیش ہے.....................ادارہ]

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین اسلام اور اس کی تمام تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہی ہے مگر چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی ہے جس تک رسائی انسانی قویٰ کے لیے محال ہے اس لیے قرآن مجید کی مراد کا بیان کرنا حسب ارشاد ربانی ﴿لتبین للناس ما نزل الیھم﴾ (تاکہ آپ بیان کردیں اس کو جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف) آنحضرت ﷺ کے سپرد فرمادیا گیا، آپ کے بیان کے بغیر مراد خداوند کا یقینی علم حاصل نہیں ہوسکتا اس لیے قرآن فہمی اور مراد خداوندی پر اطلاع کے لیے حدیث رسول کی بھی ضرورت ہے۔ پھر چونکہ فقہ قرآن وحدیث سے حاصل شدہ مسائل کا نام ہے محض تخیلات انسانی اور ذاتی قیاس آرائی کا نام نہیں ہے جیسا کہ غلط فہمی سے سمجھ لیا جاتا ہے اس لیے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے لیے علم فقہ بھی ضروری ہوا، غرضیکہ قرآن مجید میں جس تـفقہ فی الدین (دین میں سمجھ پیدا کرنا) کولیتـفقھوا فی الدین (تاکہ وہ دین میں خوب سمجھ پیدا کریں) میں امت پر فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ میں ایسے افراد امت میں ضرور موجود ہوں جن کو تفقہ کا یہ درجہ حاصل ہو، تفقہ کا درجہ ان مذکورہ تینوں علوم میں مہارت وحذاقت حاصل کیے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، اس لیے امت پر فرض ہے کہ وہ ہر زمانے میں اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق تعلیم کا ایسا نظم قائم کرر کھے جس سے ان تینوں علموں میں مہارت حاصل ہوکر تفقہ کا وہ درجہ حاصل ہوسکے جس کا باقی رکھنا امت پر فرض کفایہ ہے، تعلیم کا ایسا انتظام کیے بغیر امت

اس فرض کفایہ سے عہدہ برآں نہیں ہوسکتی۔

ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب ''درس نظامی'' کے نام سے رائج ہے اس میں اگرچہ تقریباً بیس علوم اور فنون کی کم و بیش ۷۷ کتابیں شامل ہیں اور ان کی تعلیم کو نہایت مفید و مناسب ترتیب کے ساتھ دس سالوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے، مگر ان میں بھی حدیث و تفسیر، قرآن اور فقہ کی کتابیں ہی اصل مقصود ہیں اور باقی دوسرے علوم و فنون کی کتابیں ان تینوں علموں کی معاون و مددگار ہیں، اگرچہ بعض کو سطحی نظر سے بعض کتابوں کا علوم دینیہ سے تعلق ظاہر نہیں ہوتا، غور سے دیکھا جائے تو درس نظامی کی سب کتابوں کو ان علوم مقصودہ سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق حاصل ہے۔

اسلامی حکومت میں مدارس کا نصاب:......واضح رہے کہ اسلامی حکومت میں سب سے پہلا مدرسہ مسجد نبوی کے اندر قائم ہوا، اس کا نصاب بھی قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم ہی تھا، قرآن کریم کی تعلیم سے تعلم کا سلسلہ شروع ہوا جو تمام اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ ہے، اصحاب صفہ کا حلقۂ درس قائم ہوا جس میں ایک شخص قرآن مجید پڑھتا تھا اور حلقہ کے دوسرے حاضرین اسے توجہ سے سنتے اور یاد کرتے تھے، خود حضور اکرم ﷺ تلاوت قرآن کے علاوہ تعلیم کتاب کے منصب پر فائز تھے جو الفاظ کے معانی اور بیان احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حدیث و فقہ کی تعلیم تھی، جوں جوں اسلام کی اشاعت کا سلسلہ پھیلتا گیا یہ سلسلہ تعلیم قرآن وسنت مع فقہ کے وسعت پکڑتا گیا کیونکہ قرآن وسنت کی تعلیم کے معنی ہی فقہ کی تعلیم ہے، اس لیے کہ فقہ ان احکام کا نام ہے جو قرآن وسنت سے اخذ کیے جاتے ہیں۔

تو اب قرآن وسنت کی تعلیم کا مطلب صرف قرآن وسنت کے الفاظ کی تعلیم نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن وسنت سے مسائل واحکام کا استنباط اور اخذ کرنا ہے، یہی فقہ کی تعلیم ہے، نہ معلوم فقہ کے نام سے محض لوگوں کے اذہان کیوں اجنبیت محسوس کرنے لگے ہیں، غرضیکہ ہر جگہ عمال کے ساتھ مستقل معلمین بھی بھیجے جانے لگے جنہوں نے مفتوحہ علاقوں میں مکاتب جاری کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا جن میں صرف قرآن مجید اور حدیث و فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی، اس دور میں مسجدیں تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں، مفتوحہ علاقوں میں جہاں کہیں مدرسہ کی ضرورت پیدا ہوتی وہاں نئی مسجد بنا دی جاتی تھی۔ پانچویں صدی ہجری سے تعلیم کے لیے مسجدوں سے الگ مستقل عمارتیں بنائی گئیں، ان عمارتوں کے ساتھ اساتذہ اور طلبہ کے لیے اقامت گاہیں یعنی ہوسٹل بھی تعمیر کیے گئے، اہل علم کے لیے تنخواہیں اور طلبہ کے لیے وظائف کا تقرر ہوا، ان مصارف کے لیے بڑے بڑے اوقاف قائم کیے گئے۔

بہرحال مقصد یہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آج تک دینی نصاب تعلیم کی یہ خصوصیت اپنی جگہ پر قائم چلی آرہی ہے کہ اس میں قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور دوسری علوم و فنون کو ان بنیادی علوم کے تابع بنا کر مبادی کے طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔

ہندوستان میں مدارس کا قیام:......ہندوستان میں دینی مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت ''تاریخ فرشتہ'' کی رو سے

ناصر الدین قباچہ نے مولانا قطب الدین صاحب کاشانی کے لیے ملتان میں بنوائی تھی جس میں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے تعلیم حاصل کی تھی (از نبوی نظام تعلیم) اس کے بعد ہندوستان میں دینی مدارس کا یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا، دینی مدارس کی کفالت کے لیے بڑی بڑی زمینیں وقف ہوتی تھیں، علاوہ ازیں حکومت وقت بھی ان کی کفالت کے لیے خصوصی انتظام کرتی تھی اس لیے اس زمانے میں چندہ کا موجودہ سسٹم رائج نہیں تھا۔

بالآخر سلطنت مغلیہ کے زوال سے ہمارا یہ صدیوں پرانا نظام تعلیم بھی برباد ہوگیا، سلطنت برطانیہ نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد قرآن وحدیث اور فقہ سے جاہل رکھنے کے لیے اپنا ایک نیا نصاب تعلیم ملک کو دیا جس کی ابتدا بلی کتے کی کہانیوں سے ہوتی تھی، جس سے طفلانہ دلچسپی کے سوا کوئی اخلاقی تعمیر سیرت کا فائدہ نہیں ہوا، البتہ انگریز نے جس نقطۂ نگاہ کے پیش نظر اس نصاب کو جاری کیا تھا اس میں وہ کامیاب ہوگیا کہ اکثر نوجوانوں کے دلوں سے احترام مذہب جاتا رہا اور وہ اعلانیہ مذہب کے لغو بیکار ہونے کا اظہار کرنے لگے، مذہب سے بیگانگی اور لاتعلقی اس نصاب کا خاصہ لازمہ تھا، جو شخص اس سے بچا وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور زیادہ تر اپنے ماحول اور پرانے طرز تعلیم کے اثرات کی وجہ سے بچا رہا۔

علماء کرام نے جب یہ دیکھا کہ سرکاری مدارس کے نصاب تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے بیگانہ اور برگشتہ کیا جارہا ہے تو انہوں نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھ کر اس میں وہی قدیم نصاب رائج کردیا، دیوبند کے ساتھ ہی دوسرے مختلف شہروں سہارنپور، مرادآباد وغیرہ میں بھی ایسی ہی دینی درسگاہیں قائم کی گئیں اور ان میں بھی یہی درس نظامی رائج کیا گیا جو اب تک پاک وہند کے دینی مدارس میں رائج چلا آرہا ہے۔

غرضیکہ یہ نصاب برس ہا برس سے دینی مدارس میں رائج اور عرصہ دراز سے تجربہ میں آرہا ہے، اس لیے اس نصاب کے بارے میں بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ دینی علوم قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کے اندر مہارت پیدا کرنے کے لیے یہ نصاب بے نظیر ہے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اس کا ثانی اور بدل دوسرا نصاب کوئی نہیں ہوسکتا۔

گزشتہ صدی کے وہ تمام علماء اور صلحاء جنہوں نے اس نصاب کے ذریعے اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزار دی اس نصاب کے کامیاب اور مفید ہونے کی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، چنانچہ پاک وہند میں جس قدر علماء دین ہوئے ہیں جن کے علم وفضل پر سب کو اعتماد رہا ہے وہ کم وبیش اسی نصاب کے ذریعہ علم و فضل کے اس بلند مقام پر فائز ہوئے ہیں۔ ماضی قریب میں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا خلیل اللہ سہارنپوریؒ، مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ وغیرہ وغیرہ کے چند اسمائے گرامی نمونہ مشتے از خروارے کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم وفضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک وہند میں دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ پوری دنیائے اسلام میں بھی بہت ہی کمیاب ہے، اس درجہ کے علم وفضل کا حاصل ہونا اسی نصاب

کا مرہون منت ہے جس کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ہے اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے، حلب شام کے مدارس العلمیہ کے مدیر الشیخ عبدالقادر نے ۱۳۴۵ھ میں جب ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو دیوبند اور سہارنپور بھی تشریف لائے تھے، مظاہر علوم سہارنپور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ ''یہاں کے علماء میں جو استعداد اور قابلیت حاصل ہوتی ہے وہ ہمارے مدارس کے فاضل علماء میں نہیں ہوتی اس لیے میں یہاں کا طرز تعلیم دیکھنے آیا ہوں''۔

عربی زبان میں لکھنا پڑھنا اور عربی دانی کی وجہ سے سطحی انداز میں بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرلینا اور پڑھ لینا اور بات ہے اور دقیق نظر سے عمق و گہرائی میں سے مطلب و حقیقت کا ادراک کرلینا بالکل دوسری چیز ہے، یہ بات اسی درس نظامی کی کتابوں کو محنت و تربیت کے ساتھ پڑھنے کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

صدیوں کا تجربہ یہی بتلا رہا ہے اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے علماء بھی دوسرے مروجہ نصابوں پر اس نصاب کی برتری کے قائل ہوچکے ہیں، اب اگر دینی مدارس میں یہی نصاب باقی اور زیر درس رہے گا تو اس سے اُمید کی جاسکتی ہے کہ زمانہ ماضی کی طرح کے ممتاز قابلیت کے علماء تیار ہوتے رہیں گے ورنہ استعداد علمی کے لحاظ سے جو حال دوسرے مدارس کے تعلیم یافتہ علماء کا مشاہدہ میں آرہا ہے وہی حال ان دینی مدارس کے فضلاء کا بھی ہونے لگے گا۔

ایک ایسے نصاب کے بارے میں ترمیم و تبدیلی کا مشورہ نہ معلوم کس مقصد کے لیے دیا جارہا ہے جس کی افادیت و جامعیت کا عرصہ سے تجربہ ہوچکا ہے اور دینی مقاصد کے حصول میں وہ نصاب بے حد و حساب مفید ثابت ہورہا ہے؟ ترمیم و تبدیلی کی ضرورت ایسی صورت میں تو قابل غور ہوسکتی ہے کہ اس موجودہ نصاب سے وہ مقاصد حاصل نہ ہوتے جن کے حصول کے لیے دینی مدارس کا قیام ضروری ہے، اس کے علاوہ ہمارے سامنے ایسے مدارس عربیہ کی مثالیں موجود ہیں جن میں دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے درس نظامی میں ترمیم کرکے زمانہ حاضرہ کی بعض ضروریات کی تحصیل کے لیے بعض نئے فنون کی کتابیں داخل نصاب کردی گئی ہیں، اس کا تجربہ مدرسہ عالیہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی ہوچکا ہے اور ندوۃ العلوم لکھنؤ کا تو قیام ہی دینی اور دنیوی مقاصد کی تحصیل کے لیے ہوا تھا، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی مقاصد غالب آگئے اور دینی مقاصد مغلوب ہوکر رہ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایسے نصاب کے ذریعہ دینی علوم کے ماہر معیاری ایسے علماء تیار نہیں ہوسکے جس طرح سے درس نظامی سے تیار ہوتے رہے ہیں۔ پھر یہ نصاب کوئی وحی نہیں ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کی تبدیلی نہ ہوسکتی ہو، یہ صرف ایک تجرباتی چیز ہے، اگر دینی مدارس کے اصل مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی تبدیلی کی جائے جس سے مطلوبہ مقاصد میں کسی قسم کے خلل کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے ۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

لیکن ماضی کے تجربوں کے نتائج سے تو یہی ثابت ہورہا ہے کہ درس نظامی کے اندر تبدیلی کے بعد دینی مدارس کے مطلوبہ مقاصد پوری طرح ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔......☆☆